جی-7 کی تشکیل کی وجہ بنی تھی

شاہ فیصل کی جرأت مندی

پوری مسلم دنیا کے پاس کوئی شاہ فیصل نہیں۔ اسی لیے مسلم لیڈران دنیا کے بدلے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھانے اور طاقت کا اظہار کرنے کی پوزیشن میں نہیں مگر جب جب جی-7 کا ذکر چھڑے گا، یہ ذکر شاہ فیصل کی جرأتمندی کے تذکرے کے بغیر ادھورا رہے گا۔

کسی ملک کا سربراہ اگر طاقتور ہو یعنی جو دکھنے میں ہی نہیں واقعی طاقتور ہو تو پھر اس ملک کی دِشا اور دَشا کسی حد تک اس کے سربراہ کی سوچ کے مطابق ہی ہوتی ہے۔ آج جی-7 ممالک کے پاس دنیا کی 40 فیصد دولت ہے۔ عرب ممالک پہلے کے مقابلے طاقتور ہیں لیکن غزہ بڑی آسانی سے تباہ کیا جا رہا ہے، فلسطینی بڑی آسانی سے مارے جا رہے ہیں جبکہ 1973 میں جبکہ آج کے جی-7 سے وابستہ رکن ممالک کی دولت دنیا کی دولت کا 60 فیصد ہوا کرتی تھی، عرب ممالک زیادہ طاقتور نہیں تھے مگر ان کے اندر عزت نفس تھی، انسانیت کا انہیں خیال تھا، وہ یہ جانتے تھے کہ خوشنودی امریکہ کی حاصل کریں یا کسی اور طاقتور ملک کی، وقت آنے پر مر ہی جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ 1973 کی عرب-اسرائیل جنگ، جو جنگ یوم کپور بھی کہلاتی ہے، میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے اسرائیل کی حمایت کرنے پر سعودی عرب کے شاہ فیصل بن عبدالعزیز ال سعود نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ اس بات کی پروا نہیں کی تھی کہ امریکہ ناراض ہو جائے گا اور اس کی ناراضگی کا خمیازہ سعودی عرب کو بھگتنا پڑے گا۔ شاہ فیصل اس وقت چراغ پا ہو گئے تھے جب امریکہ کے صدر رچرڈ نکسن نے اسرائیل کو 18 ہزار کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا تھا۔ انہوں نے تیل پیدا کرنے والے ملکوں اوپیک کا اجلاس بلایا اور اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ تیل کی پیداوار کم کی جائے گی۔ اس سے تیل کی قیمتوں میں 300 فیصد تک اضافہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے مہنگائی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ آج کے جی-7 کے ممالک پریشان ہو گئے کہ حالات سے نمٹنے کے لیے کیا کریں۔ آخر انہوں نے حالات سے نمٹنے کے لیے ایک گروپ کی تشکیل کی۔ یہ گروپ امریکہ، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیہ اور جاپان پر مشتمل تھا۔ اسی لیے اس کا نام جی-6 رکھا گیا۔ 1976 میں کنیڈا کے اس میں شامل ہو جانے سے یہ جی-7 بن گیا۔ اس کی اہمیت ہے مگر اس سے وابستہ ملکوں کی اہمیت 1973 میں زیادہ تھی مگر اس وقت کے عرب لیڈر جانتے تھے کہ ملک کا سربراہ ملک نہیں ہوتا، اس کا ترجمان ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکتا ہے تو ملک جھک جاتا ہے۔ تنہا شاہ فیصل نے اس وقت پوری دنیا کو یہ دکھا دیا تھا کہ عربوں کے لیے امریکہ بس ایک ملک ہے اور وہ اس سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ آج بھی عربوں کے پاس لیڈر ہیں۔ وہ خود کو طاقتور دکھانے کے لیے بھی کوشاں رہتے ہیں اور جہاں طاقت کے اظہار کا موقع ملتا ہے، اظہار کر دیتے ہیں، البتہ طاقت کا اظہار کرتے وقت یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ وہ ملک کون سا ہے، کہیں امریکہ کا کوئی حلیف ملک تو نہیں۔ اس سچائی کو قبول کر لینے کا وقت آ گیا ہے کہ عربوں کے پاس ہی نہیں، پوری مسلم دنیا کے پاس کوئی شاہ فیصل نہیں ہے۔ اسی لیے مسلم لیڈران دنیا کے بدلے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھانے اور اپنی طاقت کا اظہار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن جب جب جی-7 کا ذکر چھڑے گا، یہ ذکر شاہ فیصل کی جرأتمندی کے تذکرے کے بغیر ادھورا رہے گا۔ ■

جی-7 کا سربراہ اجلاس اختتام پذیر

یوکرین کیلئے امیدافزا رہا

محمد عباس دھالیوال

جی-7 دنیا کا ایک اہم گروپ ہے۔ یہ امریکہ، جرمنی، برطانیہ، جاپان، فرانس، کینڈا اور اٹلی پر مشتمل ہے۔ اس سے یوروپی یونین اس حیثیت سے وابستہ ہے کہ گروپ کے رکن ممالک میں اس کی گنتی نہیں کی جاتی۔ اگر کی جاتی تو یہ جی-8 ہوتا۔ اس بار کے جی-7 کا سربراہ اجلاس اٹلی میں منعقد ہوا۔ اس میں یوکرین اور غزہ کی جنگوں پر باتیں ہوئیں۔ یوکرین کی مدد کرنے کا اعلان ہوا۔ یوروپ کو ہندوستان سے جوڑنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جی-7 کے رکن ممالک ہمارے ملک کو کتنی اہمیت دیتے ہیں، البتہ غزہ جنگ کے سلسلے میں کسی ٹھوس عملی اقدامات کی یقین دہانی نہیں کرائی گئی۔ اس سلسلے میں پرانا راگ ہی الاپا گیا۔

اس سے قبل وزیراعظم نریندر مودی اپنی ہم منصب جارجیا میلونی کی دعوت پر جی-7 سربراہ اجلاس میں شرکت کے لیے اٹلی گئے جہاں انہوں نے کئی عالمی رہنماؤں سے ملاقات کر کے متعدد عالمی مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ فرانس کے صدر ایمینوئل میکروں سے ملاقات وزیراعظم نریندر مودی نے 14 جون کو کی۔ جی-7 کے سربراہ اجلاس میں وہ سب سے پہلے فرانس کے صدر ایمینوئل میکروں سے ہی ملے۔ وزارت خارجہ کے ترجمان رندھیر جیسوال نے ایکس پر پوسٹ کیا، 'اسٹریٹیجک شراکت داری کو ایک نئی سطح پر لے جانے کے لیے وزیراعظم نریندر مودی نے اٹلی کے اپولیا میں 50 ویں جی سیون سربراہ اجلاس کے موقع پر فرانس کے صدر ایمینوئل میکروں سے ملاقات کی۔' انہوں نے مزید لکھا، 'دونوں رہنماؤں نے شراکت کو مزید مضبوط بنانے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا جن میں دفاع، جوہری، خلائی، تعلیم، آب و ہوا، ڈیجیٹل پبلک انفرااسٹرکچر، اہم ٹیکنالوجی، کنکٹی ویٹی اور ثقافت شامل ہیں۔ اس دوران دونوں رہنماؤں نے اہم عالمی اور علاقائی امور پر بھی تبادلہ خیال کیا۔' قابل ذکر ہے کہ اس ماہ تیسری بار اقتدار سنبھالنے کے بعد وزیراعظم مودی کا یہ پہلا غیر ملکی دورہ تھا۔ فرانس کے صدر سے ان کی آخری ملاقات جنوری میں ہوئی تھی جب فرانسیسی صدر بھارت کی 75 ویں یوم جمہوریہ تقریب میں شرکت کے لیے بھارت تشریف لائے تھے۔ برطانوی وزیراعظم رشی سنک سے بھی وزیراعظم نریندر مودی نے 14 جون کو ہی ملاقات کی اور بھارت-برطانیہ اسٹریٹیجک شراکت داری کو مزید مضبوط کرنے کے اپنے عزم کا اعادہ کیا۔ دونوں رہنما ایک دوسرے سے بڑی گرمجوشی سے ملے۔

جی-7 کے اجلاس کے اختتام پذیر ہونے سے قبل ممبران ممالک کے رہنماؤں نے کہا کہ وہ مشرق وسطیٰ میں ہونے والی تمام شہری ہلاکتوں کی یکساں مذمت کرتے ہیں اور شہری ہلاکتوں بالخصوص خواتین اور بچوں کی ناقابل قبول تعداد پر انتہائی فکرمند ہیں۔ جنگ میں یوکرین کو دی جانے والی قطعی حمایت کی تصدیق کرنے والے اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ 'ہم یوکرین کو فوجی، بجٹ، انسانی اور تعمیر نو کی امداد جاری رکھنے کے لیے پرعزم ہیں۔ ہم یوکرین کی فوری طور پر قلیل مدتی مالیاتی ضروریات کو پورا کرنے اور اس کی طویل مدتی بحالی اور تعمیر نو کی ترجیحات میں تعاون کرنے سے مضبوطی سے وابستہ ہیں۔' اعلامیے میں ساحل خطے کے ممالک سے آئینی نظام کی منتقلی کے عمل کو تیز کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ جی-7 ممالک اس سلسلے میں مدد کے لیے تیار ہیں، البتہ غزہ جنگ کے سلسلے میں ایسا ٹھوس منصوبہ پیش کرنے میں جی-7 کے رکن ممالک ناکام رہے جس سے یہ امید بندھتی کہ یہ جنگ جلد ہی ختم ہو جائے گی اور فلسطینی راحت کی سانس لے سکیں گے۔ امریکہ کے صدر اپنے اسی موقف کا اظہار کرتے نظر آئے جس کا اظہار وہ اب تک کرتے رہے ہیں۔ ■

پوتن نے یہ واضح کر دیا تھا کہ روس اپنی سرحد تک ناٹو کی توسیع برداشت نہیں کرے گا مگر ان کے انتباہ کو زیلنسلی نے ہلکے میں لیا۔ اس کا نتیجہ یوکرین بھگت رہا ہے۔ جنگ لڑ کر روس کا بھی جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے، اس لیے امریکہ مسلسل یوکرین کی مدد کر رہا ہے۔ وہ یہ جنگ ختم نہیں ہونے دے رہا ہے۔

پچھلے دو سربراہ اجلاس کی اہم باتیں

اس میں دورائے نہیں ہے کہ جی-7 دنیا کا ایک اہم گروپ ہے، کیونکہ اس سے اقتصادی اور دفاعی طور پر مستحکم ممالک وابستہ ہیں۔ اس کا سربراہ اجلاس ہر برس منعقد کیا جاتا ہے۔ نگاہیں اس پر رہتی ہیں کہ اس سال کے سربراہ اجلاس کی اہم باتیں کیا تھیں مگر اس گروپ کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دنیا کے وہ کون سے ایشوز ہیں جن پر اس کے رکن ممالک کی زیادہ توجہ رہتی ہے اور توجہ رہنے کی اصل وجہ کیا ہے۔ فی الوقت اتنی گنجائش نہیں ہے کہ جی-7 کے پچھلے تمام سربراہ اجلاسوں پر گفتگو کی جائے، اس لیے گفتگو گزشتہ دو سربراہ اجلاسوں کے سب سے اہم ایشو پر ہی مرکوز رکھی جائے گی۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک عرصے تک سوویت یونین اور امریکہ کے مابین سرد جنگ چلتی رہی اور یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ چین کی حیرت انگیز ترقی نے امریکیوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اسی لیے یہ دونوں ممالک امریکہ کے نشانے پر رہتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ چین کی توسیع پسندی سے جب کوئی دوسرا ملک متاثر ہوتا ہے تو امریکہ اس کی مدد کے لیے اس طرح کھڑا نہیں ہوتا جیسے اسے کھڑا ہونا چاہیے۔ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ چین سے امریکہ کی مقابلہ آرائی صرف اپنے لیے ہے، چنانچہ 2022 میں جی-7 کے سربراہ اجلاس کا اہم ترین ایشو یوکرین جنگ تھی۔ اس جنگ کی وجہ سے اس گروپ کے رکن ممالک نے روس کے خلاف پابندیوں کا اعلان کیا تھا اور یہ اعلان حیرت زدہ کرنے والا نہیں تھا، کیونکہ 2014 میں روس نے یوکرین پر حملہ کیا تھا اور کریمیا کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا تو جی-7 جو اس وقت جی-8 ہوتا تھا، اس سے روس کو الگ کر دیا گیا تھا۔ جی-8 کو جی-7 بنانے میں رکن ممالک نے اتنی جلدی کیوں کی، اس کی اصل وجہ کیا تھی، اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دراصل امریکی لیڈران یہ جانتے ہیں کہ روس کوئی عام ملک نہیں ہے۔ یہ سوویت یونین کا وارث ہے۔ اس کے پاس سب سے زیادہ ایٹم بم ہیں۔ وہ آج بھی امریکہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وارسا پیکٹ تحلیل کر دیے جانے کے باوجود ناٹو کی توسیع ہوتی رہی۔ ناٹو میں وہ ممالک شامل کیے جاتے رہے جو کبھی وارسا پیکٹ کا حصہ ہوا کرتے تھے۔ پوتن یہ سمجھ رہے تھے کہ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی طرف سے یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ اگر یوکرین نے ناٹو کی رکنیت لینے کی کوشش کی تو روس ایسا ہونے نہیں دے گا، کیونکہ روس کبھی یہ برداشت نہیں کرے گا کہ ناٹو اس کی سرحد کے پاس آ جائے مگر پوتن کے انتباہ کو یوکرینی سربراہ زیلنسلی نے ہلکے میں لیا۔ اس کا نتیجہ آج یوکرین کو بھگتنا پڑ رہا ہے لیکن جنگ لڑ کر روس کا بھی جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے، اس لیے امریکہ مسلسل یوکرین کی مدد کر رہا ہے۔ وہ یہ جنگ ختم نہیں ہونے دے رہا ہے۔

2023 میں جی-7 کے سربراہ اجلاس میں چین کا 'قرض-جال' ایک اہم ایشو تھا۔ یہ سچ ہے کہ چین نے قرضوں کے جال میں دنیا کے کئی ممالک کو الجھانے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کے حالات سے فائدہ اٹھا کر خود کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنا سکے۔ اس سلسلے میں پاکستان اور سری لنکا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ کئی اور ممالک کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جو چین کے 'قرض-جال' سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا کا نظام ایسا کن ملکوں نے بنایا ہے جن کی وجہ سے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں کو قرض لینے کے لیے یہ جانتے ہوئے بھی چین کے پاس جانا پڑتا ہے کہ وہ اپنے قرضوں میں الجھا لیتا ہے۔ کیا جی-7 کے ممالک کبھی آئی ایم ایف کا سسٹم ایسا بنانے کی کوشش کریں گے کہ غریب ممالک کو چین کے پاس نہ جانا پڑے؟ ■

اپنی ڈفلی، اپنا راگ

جی-7 ترقی یافتہ ملکوں کا ایک گروپ ہے۔ رکن ممالک ایک دوسرے کا یا اپنے جیسے ملکوں کا ہی خیال رکھتے ہیں، عام طور پر غریب ملکوں سے انہیں زیادہ لینا دینا نہیں ہوتا ہے، کبھی کبھار ان کی مدد کر دیں تو بات الگ ہے۔ اسی لیے ایسا سمجھا جاتا ہے کہ جی-7 کے رکن ممالک کے لیے سب سے اوپر اپنا مفاد ہوتا ہے۔ امریکہ اس گروپ کا سب سے زیادہ طاقتور ملک ہے، اس لیے اس کی کہیں نہ کہیں زیادہ چلتی ہے۔ اس بار کے جی-7 کے سربراہ اجلاس میں روس کے منجمد اثاثوں کے سود میں سے 50 ارب ڈالر یوکرین کو قرض دینے کا اعلان کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ماسکو کو مشتعل کرنے والی کارروائی نہیں ہے؟ لیکن جی-7 کے ممالک اپنی ڈفلی ہے اور اپنا ہی راگ ہے۔ انہیں کون ملک سمجھا سکتا ہے۔

وہ ایک طرف تو ہندوستان سے چاہتے ہیں کہ وہ روس سے علیحدگی اختیار کرے اور دوسری طرف خود یوکرین کی مدد کر رہے ہیں۔ جی-7 کے ممالک کو جو اچھا لگتا ہے، کرتے ہیں۔ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عالمی برادری کو جوابدہ نہیں ہیں۔ اسی لیے غزہ جنگ ختم کرانے کے سلسلے میں وہ کوئی عملی اقدامات کرنے سے گریز کرتے رہے ہیں۔ دوسری طرف اسرائیل کی مدد کرنے میں آگے رہے ہیں۔ اس بار کے سربراہ اجلاس میں بھی غزہ میں جان گنوانے والے بچوں اور عورتوں کے لیے انہوں نے تشویش کا اظہار کیا لیکن ان کے تشویش کا اظہار کرنے سے حالات میں کیا تبدیلی آ جائے گی، یہ بات سب جانتے ہیں۔ جی-7 کے ممالک کے پاس جدید ٹیکنالوجی ہے۔ انہیں امیر بنانے میں ٹیکنالوجی نے بھی بڑا اہم رول ادا کیا ہے لیکن انہوں نے کتنے غریب ملکوں کو ٹیکنالوجی دے کر امیر بنانے میں ایک کردار ادا کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینا مشکل نہیں ہے۔ وہ ٹیکنالوجی کو اپنے پاس رکھنے کے معاملے میں اتنے حساس ہیں کہ کورونا وائرس نے جب پوری دنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا، لوگ مر رہے تھے تو ان ملکوں نے غریب ملکوں کو کووِڈ ویکسین کی ٹیکنالوجی دینے سے منع کر دیا تھا۔ بین الاقوامی اداروں میں اصلاحات کے وقت بھی جی-7 ممالک کی لابی نظر آتی ہے یعنی یہ جو کچھ کرتے ہیں، اس میں ان کا اپنا مفاد ہی سب سے اوپر ہوتا ہے، البتہ اپنا بھرم بنائے رکھنے کے لیے ان کے لیڈران بیانات ضرور دیتے ہیں مگر اب دنیا ان کی حقیقت سمجھنے لگی ہے۔ ■

امریکہ اب ون چائنا پالیسی کی حمایت نہیں کرتا۔ اس کا جھکاؤ تائیوان کی طرف ہے مگر فرانسیسی صدر ایمنوئل میکروں ون چائنا پالیسی کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کی تائیوان کے مسئلے سے زیادہ دلچسپی نہیں اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں یوروپ نہ پڑے، کیونکہ یہ یوروپ کا معاملہ نہیں ہے۔

جی-7 ممالک: باہم کتنے متحد؟

یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی گروپ اگر متحد نظر آ رہا ہے تو وہ متحد بھی ہے۔ طاقتور نظر آ رہا ہے تو طاقتور بھی ہے۔ گروپ میں شامل ہر رکن ملک کا اپنا مفاد ہوتا ہے اور جب دیگر رکن ممالک سے ان کا مفاد ٹکراتا ہے تو ان سے اس کا ویسا رشتہ نہیں رہ جاتا جیسا نظر آتا ہے لیکن سیاست اور سفارت کاری میں ہر بات کہی نہیں جاتی۔ بغیر کہے اپنے مفاد کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ سوال اگر جی-7 کے ممالک کے بارے میں کریں کہ کیا وہ متحد ہیں تو اس کا جواب ایک جملے میں دینا تو ممکن نہیں لیکن جواب دینا ممکن ہے، کیونکہ کئی چیزیں سامنے آ چکی ہیں۔ مثلاً: امریکہ نے ہند بحرالکاہل علاقے میں اپنی پوزیشن مستحکم بنانے کے لیے اوکس کی تشکیل کی تو اس سے فرانس کو الگ رکھا۔ اس گروپ میں اس نے برطانیہ کے ساتھ آسٹریلیا کو شامل کیا۔ اوکس کی وجہ سے آسٹریلیا سے جو معاہدہ کیا گیا، اس کا نقصان فرانس کو ہوا۔ اس پر فرانسیسی لیڈروں نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا اور یہ کہنے سے گریز نہیں کیا تھا کہ ان سے دھوکہ کیا گیا ہے۔ یہ ایک جواب طلب سوال ہے کہ کیا فرانس کے امریکہ اور برطانیہ سے ویسے ہی رشتے ہیں جیسے رشتے اوکس کی تشکیل سے پہلے تھے؟ اس کا جواب ایک جملے میں دینا مشکل ہے، البتہ فرانس نے ایک سے زیادہ بار یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ امریکہ کی ہر ہاں میں ہاں ملانے کے لیے تیار نہیں۔ امریکہ کی اپنی پالیسی ہے، اس کی اپنی۔ امریکہ اب ون چائنا پالیسی کی حمایت نہیں کرتا۔ اس کا جھکاؤ تائیوان کی طرف ہے تاکہ وقت پڑنے پر وہ چین کو جواب دینے کے لیے زیادہ بہتر پوزیشن میں آ سکے مگر فرانسیسی صدر ایمنوئل میکروں ون چائنا پالیسی کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کی تائیوان کے مسئلے سے زیادہ دلچسپی نہیں اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں یوروپ نہ پڑے، کیونکہ یہ یوروپ کا معاملہ نہیں ہے۔ ادھر جی-7 کے دو اور ممالک جرمنی اور اٹلی کے بھی چین سے اچھے تعلقات ہیں۔ چین سے ان ملکوں کے تعلقات کی وجہ سے بھی ڈونالڈ ٹرمپ کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی تھی کہ کورونا وائرس کو 'ووہان وائرس' یا 'چائنا وائرس' کہا جائے، البتہ فرانس، اٹلی اور جرمنی جیسے ملکوں کے لیڈران امریکہ کے صدر سے ملتے ہیں تو ان کے ملنے کا انداز ایسا ہوتا ہے جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ فرانس، اٹلی اور جرمنی کے ویسے تعلقات نہیں ہیں جیسے تعلقات دوسری عالمی جنگ کے بعد تھے۔

دراصل امریکہ پہلے والا امریکہ نہیں ہے۔ اس پر قرض کا بوجھ بہت بڑھ چکا ہے۔ وہ کسی کی زیادہ مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسے کسی طرح اپنی ساکھ بچا کر رکھنی ہے تاکہ سپر پاور کا اس کا رتبہ قائم رہے مگر دنیا کے بڑے ممالک اس کی پوزیشن سے واقف ہیں۔ چھوٹے ممالک کو بھی یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ امریکہ انہیں دھونس میں لینے کی پوزیشن میں تو ہے، وقت پڑنے پر جنگ کرنے کی پوزیشن میں تو ہے مگر ان کی مدد کرنے کی پوزیشن میں وہ نہیں ہے۔ اسے خود امداد کی ضرورت ہے، اس لیے وہ اسے خواہ مخواہ ناراض تو نہیں کرتے مگر اس کی ہر بات بھی نہیں مانتے۔ امریکہ کے انتباہ کے باوجود ان کا جھکاؤ چین کی طرف ہے یا وہ روس کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں یا اس سے رشتہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ امریکہ کی ساکھ ٹرمپ کے وقت میں زیادہ خراب ہوئی۔ 2018 میں جی-7 کے مشترکہ اعلامیہ کو ٹرمپ نے یہ کہتے ہوئے پھاڑ دیا تھا کہ کنیڈا ان کے ورکروں اور کمپنیوں پر زیادہ ٹیرف لگا رہا ہے۔ اس وقت جی-7 کا مستقبل اندیشو کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ بائیڈن نے اندیشے دور کیے ہیں مگر اوکس کی تشکیل انہیں کی مدت صدارت میں ہوئی ہے۔ ■